امثال القرآن کا ہماری زندگی پر اثرات

ڈاکٹر سید باچا آغا
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، کوئٹہ

ABSTRACT

The Quran is the most read book in the world. Revealed by Allah Almighty to Prophet Muhammad, and revered by Muslims as being Allah's Final Scripture and Testament,its words have been lovingly recited,memorized and implemented by Muslims of every nationality ever since.The Quran is also the only holy book that can be memorized in its entirety by people of all ages and intellectual abilities including non-Arabic speakers which Muslims consider to be one of its miracles.

The Holy Quran is the source guide.the purpose of Similitude in Quraan is to get a lesson. In each instance their is knowladge to mankind,It possesses a particular utility.Allah ta'aala has invited to all mankind to consider the Quran,as in the Holy Quran"Do they not then think deeply in the Qur'an,or are their hearts locked up (from understanding it)"? But today our condition is that instead of considering the Qur'an we have had it for only specific death rituals.As much we urged to consider the Quran,so we are neglecting him. May Allah Almighty grant pay to the humanity to fallow Quran. This article explains deeply about the Effects of Similitude of Quran on our life.

قرآن مجید مکمل سرچشمہ ہدایت ہے، قرآن کی تمثیلات سے اصل غرض عبرت کا حاصل کرنا ہے، تاکہ انسان اس میں غور وفکر کر کے دنیا کی حقیقت، اس کی ناپائیداری اور زوال وفنا کو سمجھتے ہوئے خداوند لاشریک پر ایمان لائے اور اس کیساتھ کسی چیز کو شریک بنانے سے احتراز کرے۔ امثال القرآن اپنی جگہ ایک خاص افادیت کے حامل ہیں، ہر مثال میں انسانوں کیلئے علم کا ذخیرہ چھپا ہوا ہے۔ قرآن حکیم کے ضرب الامثال سے وعظ وتذکیر، زجر، عبرت، تقریر وتاکید، مراد کو فہم مخاطب کے قریب کرنا اور مراد کو محسوس صورت میں پیش کرنا ہے، یہ اس لئے کہ امثال معانی کو اشخاص کی صورت میں نمایاں کرتی ہیں، کیونکہ اس میں مخاطب کے ذہن کو حواس ظاہری کی امداد ملتی ہے اور ذہن میں بخوبی نقش ہو جاتی ہے اور امثال کا طرز اختیار کرنے سے معانی منکشف ہو جاتے ہیں۔

اللہ نے تمام انسانوں کو قرآن مجید میں غور وفکر کی دعوت دی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے: اَفَلَا یَتَدَبَّرونَ القرآنَ اَم عَلَی قلوبٍ اَقفَالهَا[۱]: ''کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟'' اگر ہم کلامِ الٰہی میں غور وفکر کریں تو ہدایت اور حکمت کے دروازے ہم پر کھل جائیں گے، اللہ تعالیٰ کے کلام کا کمال ہم پر ظاہر ہو جائے گا۔ اس قرآن میں تدبر کی جائے تو یہ بے مثال اور ایک معجز کلام ہے، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَنزَلنَا اِلَیکم نورًا مبینًا . [۲]: ''اور ہم نے آپ کی طرف نور مبین نازل کیا۔''

ساری کتب سماویہ نور ہیں۔ اللہ نے قرآن کو بھی بڑی واضح روشنی کہا ہے جس کے سامنے کفر وشرک کے تمام اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ یہ کلام الٰہی اس قدر باحکمت ہے کہ اس کی حکمتوں کا احاطہ کوئی انسانی قلم یا زبان نہیں کر سکتا۔ انہی حکمتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اس مضمون میں ''امثال القرآن کا ہماری زندگی پر مرتب ہونے والے اثرات'' کا جائزہ لیتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ (عبدالرحمن) سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: **فان القرآن نزل علیٰ خمسة اوجه حلال وّحرام وّمحکم وّمتشابه وامثال، فاعملوا بالحلال وجتنبوا الحرام واتّبعوا المحکم واٰمنوا بالمتشابه واعتبروا بالامثال:** [۳]''بیشک قرآن کریم پانچ وجوہ کی بنا پر نازل ہوا ہے۔ حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال، پس تم حلال پر عمل کرو اور حرام سے اجتناب کرو، محکم کی اتباع اور پیروی کرو، متشابہ پر ایمان لاؤ اور امثال سے عبرت ونصیحت حاصل کرو۔''

قرآن کریم، اللہ کی جانب سے انسانوں کی رشد وہدایت کے لیے نازل ہونیوالی آخری کتاب ہے۔ اس میں اللہ نے متعدد مثالیں ارشاد فرمائی ہیں تاکہ انسانی ذہن بات کو بآسانی سمجھ سکے، کیوں کہ جو بات مثالوں سے ذہن نشین ہوتی جاتی ہیں وہ دلائل سے کم وبیش سمجھ آتی ہیں، مثال بیان کرنے کی حکمت یہ ہوتی ہے کہ کسی باریک چیز کو انسانوں کی فہم کے قریب تر کیا جائے، اور عقلی چیز کو محسوس بنا دیا جائے۔ مثال کے ذریعے کہیں کسی چیز سے نفرت دلانا مقصود ہوتا ہے تو

کہیں کسی چیز کو ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اہل فکر ونظر کے لیے تو یہ مثالیں ہدایت کا سامان پیدا کرتی ہیں اور قرآن سے فضول کا بیر رکھنے والے گمراہی سے نہیں بچ سکتے اور ایسی مثالوں سے صرف ایسے سرکش لوگ ہی گمراہ ہوتے ہیں جو فاسق یعنی اطاعت خداوندی سے نکل جانے والے ہیں۔

ایمان کی تقویت:

مسلمان ہونے کے لیے چند باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ایمان صرف اللہ کی ذات پر ایمان لانا نہیں، بلکہ اس کی صفات،ا،اس کی وحدانیت، اس کے انبیاء علیہم السلام اور اس کے ملائک پر بھی ایمان لانا بھی ہے، اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا ہے۔ اللہ نے قرآن مجید میں مشرکین کے معبودوں کی مثال بیان فرمائی ہیں، جس کے ذریعے ہم راہِ حق اور باطلکے ساتھ موازنہ کر کے اپنے ایمان کو تقویت پہنچا سکتے ہیں۔ جیسا قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: **قل اَندعوا مِن دونِ اللّٰہِ مَا لَایَنفعنَاوَلا یَضرّنَاوَنرَدّ عَلَی اعقَابِنَابعدَاِذ ھَدَانَااللّٰہ کَالَّذِی استَھوَتہ الشَّیَاطِین فِی الاَرض حَیرَانَ لَہ اَصحَاب یَدعونَہ اِلَی الھدَی ائتِنَاقل اِنَّ ھدیَ اللّٰہِ ھوَالھدَی وَامِرنَالِنسلِمَ لِرَبِّ العَالَمِین** ؎'' (آپ ﷺ) فرما دیجئے کہ کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکاریں جو نہ ہمیں نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان، اور جب کہ اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا چکا ہے، تو کیا اب ہم الٹے پاؤں پھر جائیں اس شخص کی طرح جسے شیطان نے صحرا میں بھٹکا دیا ہے، اور وہ حیران وسرگردان پھر رہا ہے، اس کیساتھ اسے پکار رہے ہوں کہ ادھر آ جاؤ تو کہہ دے کہ اللہ نے جو راستہ دکھا دیا ہے وہ سیدھا ہے، ہم کو حکم ہوا ہے کہ ہم تابع رہیں پروردگارِ عالم کی۔''

اس آیت میں ان لوگوں کی مثال دیدی گئی ہے جو اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کی عبادت کرتے ہیں، اور ان کو پکارتے ہیں۔ اللہ نے صاف صاف بتلا دیا کہ وہ نہ تو فائدہ دے سکتے ہیں اور نہ نقصان، وہ خود محتاج ہیں۔ مشرک کی مثال یوں بیان کی کہ جیسے کوئی شخص جنگل میں بھٹکا ہوا ہے، اسے جنات اور شیاطین نے سیدھے راستے سے بھٹکا دیا ہے، اور جو اس کے ساتھ تھے ان سے جدا کر دیا گیا ہے، وہ جنگل میں حیران وسرگردان کی طرح بھٹکتا پھرتا ہے، اسے کچھ ہوش نہیں کہ وہ اب کیا کرے، اگر وہ شرک کی ضلالت سے نکل کر واپس ایمان پر آ تا ہے، تو اس کی زندگی اور موت دونوں عافیت کی ہو جائیں گی۔ اور اگر وہ اسی حالت میں رہے اور وہ واپس ان کے پاس نہیں جاتا جو اس کے ساتھ راۂ حق پر تھے تو وہ جنگل میں بھٹکتا رہے گا، آخر کار اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ دنیا میں بھی وہ سرگردان وحیران رہا، اور شیطان کی باتوں میں آ کر اس نے جن کو پکارا اس کا یہ پکارنا فضول ثابت ہوا، وہ مشکلات میں ہے جس کی سزا اس کو ہمیشہ ملتی رہے گی۔ اس مثال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باطل معبودوں کو پکارنا فضول ہے۔

ایک اور مثال اللہ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ: **لَہ دَعوَۃ الحَقِّ وَالَّذِینَ یَدعونَ مِن دونِہٖ لَا یَستَجِیبونَ**

لهم بِشَیء اِلَّا کَبَاسِطِ کَفَّیهِ الَی المَاءِ لِیَبلغَ فَاه وَمَاهوَ بِبَالِغِیهِ وَمَادعَاء الکَافِرِینَ اِلَّا فِی ضَلَالٍ۔۵؎
''اللہ سچی پکار کے لائق ہے، اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے ہیں ،مگر جیسا کہ کوئی اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہوتا کہ اس کے منہ تک پانی پہنچ جائے ،تو وہ پانی اس کے منہ تک پہنچنے والا نہیں، ان کافروں کی تمام پکار بے سود ہے۔''

اس آیت مبارکہ کو **لــہ دعــوۃ الـحق** سے شروع فرمایا،یعنی اللہ کی دعوت واجب القبول ہے اور دوسروں کی دعوت واجب القبول نہیں ، یا یہ مطلب ہے کہ اسی کی سچی پکار ہے، وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، اور اسے معبودِ برحق اور حاجت روا سمجھ کر دعائیں کی جائیں ۔**لــہ دعـوۃ الحق** سے مراد اخلاص کے ساتھ دعا کرنا ہے،یعنی اخلاص کے ساتھ دعا بھی صرف اسی سے ہی کی جا سکتی ہے۔ مطلب یہ کہ انسان، ایک اللہ کے علاوہ کسی اور کو مشکل کشا یا پکار کو سننے والا نہ سمجھے، دعا مانگے تو اسی ذات سے مانگے ۔ایک جگہ اللہ نے ارشاد فرمایا: **یَـااَیّهَـا الـنَّـاس ضـرِبَ مَثَل فَـاستَمِعوا لَه اِنَّ الَّذِینَ تَدعونَ مِن دونِ اللَّهِ لَن یَخلقوا ذبَابًا وَلَوِ اجتَمَعوا لَه وَاِن یسلبهم الذّبَاب شَیئًا لَا یَستَـنـقِـذوه مِنه ضَعفَ الطَّالِب وَالمَطلوب مَا قَدَروااللَّهَ حَقَّ قَدرِهِ اِنَّ اللَّهَ لَقَوِیّ عَزِیز ۶؎** ''اے لوگوں ایک عجیب مثال بیان کی جاتی ہے، اس کو کان لگا کر سنو جن کی اللہ کے سوا تم پکارتے ہو وہ ایک حقیر چیز مکھی کو بھی پیدا نہیں کر سکتے گو اس کام کے لیے سب جمع ہو جائیں، اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ مکھی سے چھڑا نہیں سکتے، طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔ انہوں نے اللہ کے مرتبہ کا اندازہ ایسا نہیں کیا جیسا کہ کرنا چاہئے تھا، بیشک اللہ بڑی قوت والا غالب ہے۔''

اس آیت میں اللہ نے اپنی اور دوسرے معبودان باطلہ کی مثال بیان کی ہے اس پر غور نے سے ایمان کو تقویت ملتی ہے۔ ایک تمثیل سے واضح کیا گیا ہے کہ اے مشرکین اللہ کے سوا تم خود ساختہ معبودوں کو مصائب وحاجات میں پکارتے ہو وہ تمہاری حاجت روائی نہیں کر سکتے، وہ بالکل عاجز ہیں۔ حاجت روا اور مشکل کشا تو صرف وہی ہو سکتا ہے جو سب کا خالق و مالک ہے، اور تمہارے معبود تو سارے مل کر بھی ایک مکھی پیدا کرنیکی قدرت بھی نہیں رکھتے۔ مکھی کو پیدا کرنا تو درکنار ان کے کھانے پینے کی چیزوں میں سے مکھی کچھ تھوڑا سا اپنے منہ میں ڈال کر اگر اڑے تو وہ اس کے منہ سے اسے چھڑانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے ہیں۔

نیک اعمال کی ترغیب اور برائیوں سے اجتناب:

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے اچھے اور برے اعمال ہماری زندگیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں، بلکہ ہماری اخروی زندگی کا فیصلہ ہمارے انہی اعمال پر ہی ہوتا ہے۔ امثال القرآن کی اصل غرض تو نصیحت حاصل کرنا ہے، اللہ انسان کو غور وفکر کی

دعوت دیتا ہے تاکہ انسان ان میں غور وفکر کر کے اپنی زندگی کو نیک اعمال سے مزین کر دے اور برے اعمال سے اجتناب کرے۔اللہ نے امثال کے ذریعے جہاں نیک اعمال کی ترغیب دی ہوئی ہے وہاں برے اعمال سے نفرت بھی دلائی ہے۔اصل میں یہ زندگی ہمارے لیے ایک امتحان ہے، ہ دنیا دارالعمل ہے۔یوم آخرت اللہ ہر انسان کے ہاتھ میں اس کی الہامی کتاب دے گا اور اس سے سوال ہوگا کہ اس کتاب پر کتاب پر کتنا عمل کیا؟

نیک عمل کی مثال اس طرح بیان فرمائی ہے:مَثَل الـذّیـنَ یـنفِقونَ اَموَالھم فِی سَبِیلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنبَتَت سَبعَ سَنَابِلَ فِی کلِّ سنبلَۃٍ مِائۃ حَبَّۃٍ وَالـلـہ یضَاعِف لِمَن یَشَاء وَاللّٰہ وَاسِع عَلیم ۔ے’’مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ،اس سے اگیں سات بالیں، ہر بال میں سو سو دانے،اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے،اور اللہ تعالیٰ نہایت بخشش کرنے والا ہے،سب کچھ جانتا ہے۔‘‘اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک دانہ زمین میں ڈالا جائے جو کہ سات بالیں اگائے،اور ہر بالی میں سو دانے ہوں،اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کے مال کی مقدار نہیں دیکھی جاتی بلکہ اخلاص اور صدقِ نیت دیکھی جاتی ہے،آپ اخلاص سے جو کرتے ہو اس کا بے پایاں اجر ملتا ہے۔انسان کی نیت کو بھی اللہ خوب جانتا ہے۔مذکوہ مثال میں اللہ نے مال کی مقدار کی شرط پر اجر کا وعدہ نہیں کیا بلکہ اخلاص نیت پر اجر کا وعدہ کیا ہے،جس طرح پیداوار کے لیے یہ شرط ہے کہ دانہ خراب نہ ہو اور زمین بھی زرخیز ہو تو وہ دانی ایک کے بدلے میں کئی گنا ہو جاتا ہے۔اگر مال حلال ہو اور نیت میں اخلاص ہو اور خرچ کا محل بھی درست ہو تو کوئی وجہ نہیں بے حساب اجر نہ ملے۔میں اخلاص نیت سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کو کئی گنا بڑھا کر اجر کا وعدہ کر کے نیک اعمال کی ترغیب دی گئی ہے،تاکہ انسان اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے دل تنگ نہ کرے۔آگے ایک اور جگہ اللہ نے اعمالِ بد کی مثال اس طرح بیان فرمائی ہے:یَـــااَیّھَـــاالَّـــذِیـنَ آمَـنـوا لَا تبـطِـلـوا صَـدَقَاتِکم بِالمَنِّ وَالاذَی اَلَّذِی ینفِق مَالَہ رِئَائلنَّاسِ وَلَایؤمِن بِاللّٰہِ وَالیومِ الآخِرِ فَمَثَلہ کَمَثَلِ صَـفـوَانٍ عَـلَـیـہِ ترَاب فَاَصَابَہ وَابِل فَترَکہ صَلدًا لَا یَقدِرونَ عَلی شَیءٍ مِمَّا کَسَبوا وَاللہ لَایَھدِی القَومَ الـکَـافِـرِیـن:۸ؔ’’اے ایمان والو!اپنی خیرات کو جتلا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زوردار بارش برسے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے ان کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی،اور اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘

اس مثال میں اللہ نے ان لوگوں کی مثال بیان فرمائی ہے جو جتلا کر اپنے صدقات کو باطل کر دیتے ہیں ہر نیکی کی کچھ شرائط ہوتی ہیں۔ان شرائط کے پورا ہو جانے کے بعد وہ قبولیت کا درجہ پاتی ہیں۔جیسے صدقات کے لیے دو شرطوں کا

ہونا لازمی ہے یعنی صدقہ اور خیرات اس وقت تک محفوظ اور باقی رہیں گے جب صدقہ دینے والا نہ تو صدقہ دینے کے بعد جتائے اور نہ سائل کی کسی قسم کی کوئی تکلیف یا اذیت پہنچائے، یعنی اگر صدقہ دینے کے بعد جتلا دیا یا سائل کو اذیت یا دکھ پہنچا دیا تو وہ صدقہ ضائع اور باطل ہو جاتا ہے۔ اعمال بد میں سے ایک مثال سود (لـرِّبَا) خوروں کے بیان کے متعلق ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: الَّـذِینَ یَـاکلونَ الرِّبَا لَا یَقومونَ اِلَّا کَمَا یَقوم الَّذی یَتَخَبَّطه الشَّیطَان مِنَ المَسِّ ذَلِکَ بِـاَنَّهـم قَـالـوا اِنَّـمَا البَیع مِثل الرِّبَا وَاحَلَّ اللّه البَیعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَن جَائه مَوعِظَة مِن رَبِّهِ فَانتَهَی فَلَه مَا سَـلَفَ وَاَمـره اِلَـی الـلَّـهِ وَمَن عَادَ فَاولَئِکَ اَصحَاب النَّارِ هم فِیهَا خَالِدون: ۹؎ ''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نا ہوں گے مگر اس طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر خبطی بنا دے، یہ اس لیے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ بیع تو رباہی کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور رباء کو حرام کیا ہے، اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جس نے دوبارہ یہ کام کیا یہی لوگ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' مذکورہ آیتِ مبارکہ میں اللہ ایک قبیح عمل رباء کے بارے میں ایک مثال دے کر اس فعل سے نفرت دلائی تا کہ اس سے اجتناب کیا جائے یہاں سود خوروں کی مثال بیان کی گئی ہے کہ وہ قیامت کے روز کس حالت میں اٹھے گا، اور سود کی حرمت بیان کر دی کہ جو ایک قبیح عمل ہے۔ مسلمانوں کو اس قبیح عمل سے ہمیشہ کہ لیے روکا گیا ہے اور امثال کے ذریعہ اس کی ایسی برائی بیان کی گئی تا کہ انسان کے دل میں رباء کی طرف جانے کا خیال بھی پیدا نہ ہو۔ عالمِ بےعمل کی مثال قران مجید میں اس طرح بیان ہوئی ہے ''مَثَـل الَّذِینَ حمِّلوا التَّورَاةَ ثـمَّ لَـم یَـحـمِـلوهَا کَمَثَلِ الحِمَارِ یَحمِلِ اَسفَارًا بِئسَ مَثَل القَومِ الَّذِینَ کَذَّبوا بِآیَاتِ اللّه وَاللَّه لَا یَهدِ القَومَ الظَّالِمِین ۰ ۱؎ ''جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا اور پھر انہوں نے عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جو اپنے اوپر بہت ساری کتابیں لادے ہوئے ہو، بری حالت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا، اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اللہ نے مختلف الہامی کتابیں نازل کیں لیکن لوگوں نے اللہ کی کتاب کے بجائے اپنی اور اپنے بزرگوں کے ہاتھ سے مرتب کی ہوئی کتابوں کو اللہ کی کتاب کا درجہ دے وہ گدھا ہے۔ اس لیے عمل کی کتاب صرف اللہ کی کتاب ہے جو ان پر نازل کی گئی، بزرگوں کی کتابیں نہیں جو انہوں نے اللہ کی کتاب کے مقابلے میں لکھیں۔ قرآن ایسی کتابوں کو ''لہوالحدیث'' کہتا ہے۔ ہمارے لیے بھی صرف وہی کتاب قابل عمل ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی اور اصحاب رسول کے عہد میں موجود تھی۔ ان کی وفات کے بعد لکھی جانے والی کتابیں باعث عمل اور قابلِ حجت نہیں۔ اللہ نے ایک مثال یہ بیان فرمائی ہے: وَالَّـذِیـنَ کَـفَـروا اعـمَـالهم کَسَرَابٍ بِقِیعَةٍ یَحسَبه الظَّمآن مَاءً حَتَّی اِذَا جَائه لَم یَـجِـده شَیئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِندَه فَوَفَّه حِسَابَه وَالله سَرِیع الحِسَاب ۱۱؎ ''اور جو لوگ منکر ہیں ان کے کام ایسے ہیں

جیسے ریگستان کا پیاسا، جب اس کو پانی نظر آئے، یہاں تک کہ جب وہ پہنچا اس کو، تو کچھ نہ پایا اور اللہ تعالیٰ ہی کو پایا اپنے پاس، پھر اس کو پورا پہنچا دیا اس کا لکھا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔::

کافروں کے اعمال کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ کفر کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی میدان میں چمکتا ہوا ریت، آدمی اس کو دور سے پانی خیال کرتا ہے، جب اس کے پاس آجاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ ریت کی چمک تھی، جسے پانی سمجھ کر آیا تھا، اسی طرح کافروں کے اعمال کی مثال ہے کہ وہ اس جہان میں کچھ عمل کرتے ہیں آخرت میں کچھ پانے کی امید سے مگر ان کو آخرت میں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ قیامت کے دن کافر سخت ناکام ہوگا، اس کو اس پیاسے سے تشبیہ دی جو پانی کی سخت ضرورت مند ہو، اور سراب کو پانی سمجھ کر نامراد ہو جائے۔

ایمان کے بغیر اعمال کی ایک اور مثال اللہ نے کچھ اس طرح سے بیان فرمائی ہے: **اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِی بَحرٍ لُجِّیٍّ یَغشٰاہ مَوج مِن فَوقِ مَوج مِن فَوقِ سَحاب ظلمات بَعضهَا فَوقَ بَعض اِذَا اَخرَجَ یَدَہ لَم یَکَد یَرَاهَا وَمَن لَم یَجعَلِ اللّٰه له نورًا فَمَا له مِن نور** ۱۲ ''یا جیسے اندھیرے گہری دریا میں چڑھی آتی ہیں، اس پر ایک لہر اس پر ایک اور لہر اس کے اوپر بادل، اندھیرے ہیں ایک پر ایک، جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا ہے کہ اس کو وہ سوجھیا ور جس کو اللہ نہ دے روشنی اس کے واسطے کہیں نہیں روشنی۔''

ان امثال میں اللہ نے اچھے اعمال کی ترغیب دیتے ہوئے ایمان کو تمام اعمال کی بنیاد قرار دیا ہے۔ یعنی ان کے اعمال قیامت کے دن ان کے لیے حسرت کی طرح ہوں گے کیوں کہ ان کے اعمال ان کو اخروی لحاظ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے، جو وہ صدقات دنیا میں کرتے تھے وہ غیر مفید ثابت ہوں گے، تو سارے اعمال باعث حسرت ہوں گے۔ اللہ نے ان کے اعمال کی مثال بیان کرتے ہوئے ان کے اعمال کی تہہ بہ تہہ اندھیرے سے تشبیہ دی ہے۔ کافر اپنے اعمال نیک گمان کرتے ہیں کہ ان کے اعمال ان کو نجات دلائیں گے۔ مگر اللہ فرمارہا ہے کہ وہ تمام نیک اعمال سراب سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ کفار کے اعمال کو تہہ بہ تہہ اندھیروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کافر کی بداعمالیوں کی تاریکیاں اس کے دل پر تہہ بہ تہہ چڑھی ہوئی ہیں، جو اس کو ادراکِ حق اور ہدایت کو قبول کرنے سے روکتی ہیں۔

اخلاق کی درستگی واحتساب:

انسان کی شرافت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ نے اسے جسمانی اور روحانی کمالات عطا فرمائے ہیں۔ انسان کا اولین جسمانی کمال یہ ہے کہ اللہ نے اسے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا ہے۔ چناں چہ قرآن مجید میں افرمایا گیا: **مَا مَنَعَکَ اَن تَسجُدَ لِمَا خَلَقتُ بِیَدَیَّ** ۱۳ ''اے ابلیس! جس ہستی کو میں نے اپنی دست قدرت سے بنایا اس کے سامنے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا'' اللہ نے انسان کو حسنِ صورت بھی عطا فرمائی، روئے زمین کی تمام مخلوقات

میں انسان خوبصورت ترین ہستی ہے۔جیسا کہ فرمایا:لَقَد خَلَقنَا الاِنسَانَ فِی اَحسَنِ تَقوِیمٍ :۴؎ ’’ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت عطا کی۔‘‘

انسان کو دوسری مخلوقات پر اس لیے بھی شرف حاصل ہے کہ اللہ نے اس میں فہم تمیز اور تحقیق وتجسس کا مادہ بھی رکھا ہے،جس کی بدولت وہ چیزوں کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے۔اللہ نے سمجھ کے ساتھ انسان میں روحانی کمالات بھی رکھے اور پھر یہ شرف بھی کہ بنی نوع انسان میں نبوت کا سلسلہ بھی رکھا،اخلاقی تربیت الہامی کلام کے ذریعے ہوئی ہے۔قرآن مجید میں اللہ نے متعدد امثال بیان فرمائی ہیں جن سے انسان کی اخلاقی تربیت ہوتی ہے۔قرآن مجید میں ایسے امثال بھی موجود ہیں جن کا مقصد اخلاق کی درستگی ہے۔حسب ذیل مثال میں انسان کی ایسی اخلاقی تربیت ہوئی کہ اگر صرف اس مثال کو سمجھ کر زندگی گزارے تو دنیا میں آدھے سے زیادہ بدامنی اور فساد ختم ہو جائے۔فرمان الٰہی ہے::یَاایّھَا الَّذِینَ آمَنوا اجتَنِبوا کَثِیرًا مِنَ الظّنِّ اِنَّ بَعضَ الظَّنِّ اِثم وَلَا تَجَسَّسوا وَلَا یغتَب بَعضکم بَعضًا اَیحِبّ احَدکم اَن یَاکلَ لَحمَ اَخِیہِ مَیتًا فَکَرِھتموہ وَاتَّقوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّاب رَحِیم. ۵؎ ’’اے ایمان والو!بہت سے گمانوں سے بچو،کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگے رہا کرو،اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے،کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھالے؟اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو،اور اللہ سے ڈرتے رہو،بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہیں۔‘‘

یہ آیت مبارکہ آداب معاشرت کے متعلق احکامات پر مشتمل ہے۔اس میں تین چیزوں کو حرام کر دیا گیا ہے،پہلے ظن،دوسرے تجسس،یعنی کسی پوشیدہ عیب کا سراغ لگانا،اور تیسرے غیبت،یعنی کسی کی عدم موجودگی میں کوئی ایسی بات کہنا کہ اگر وہ اسے سنے تو اسے ناگوار گزرے۔پہلی چیز یعنی ظن کے معنی ہے غالب گمان،اس کے متعلق اول تو قرآن مجید نے یہ ارشاد فرمایا کہ بہت سے گمانوں سے بچا کرو،اور پھر اس کی وجہ یہ بیان فرمادی کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں،اس سے معلوم ہوا کہ ہر گمان گناہ نہیں ہوتا،اچھا گمان بھی رکھا جا سکتا ہے۔آیت مبارکہ میں غیبت کی حرمت کا زیادہ اہتمام فرمایا کہ اس کو کسی مردہ مسلمان کا گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اس کی حرمت کو واضح فرمایا۔اللہ نے اخلاقی تربیت کے حوالے سے ایک اور مثال بیان فرمائی ہے:وَاقصِد فِی مَشیِکَ وَاغضض مِن صَوتِکَ اِنَّ اَنکَرَ الاَصوَاتِ لَصَوت الحَمِیر ۶؎ ’’اور اپنی چال درمیانی رکھو،اور اپنی آواز نیچی رکھو،بلاشبہ بڑی ناگوار آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔‘‘

یہاں پر بھی وہ رحمٰن ذات جس کی کمال شفقتیں انسانیت پر ہیں،اخلاقی تربیت کے لیے ایک اور مثال بیان فرمائی۔مذکورہ مثال میں اللہ انسان کو متانت اور میانہ روی کی چال اختیار کرنے کا حکم دیا،اور بے ضرورت بولنا یا کلام کرتے وقت حد سے زیادہ تجاوز کرنا یا بلند آواز سے گفتگو کرنا وغیرہ تمام باتوں سے منع فرمایا ہے۔بلند آواز کی مثال گدھے کی آواز

سے دی، کہ جانوروں میں سب سے بے ڈھنگی آواز گدھے کی ہوتی ہے، بہت زور سے بولنے میں بسا اوقات آدمی کی آواز بھی ایسی ہی بے ڈھنگی اور بے سری ہوجاتی ہے۔ خالق نے جس طرح سے انسان کے ظاہری اور باطنی خوبصورت کا خیال رکھا ہے، انسان کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے اخلاق کو حمیدہ چیزوں سے مزین کرے، جیسے رب کائنات نے مخلوقات میں اسے اشرف کا لقب دیا ہے، وہ اپنے اس مقام سے نیچے نہ آئے بل کہ انسان کی کوشش ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے اخلاقی منازل طے کرتا ہو تو خود کو اخلاق کے اعلیٰ معیار تک پہنچائے، جہاں اللہ اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔

اللہ نے پرانی بستیوں کے امثال بیان فرمائی ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی یا ان میں اس طرح کے برے اعمال تھے جن کی بدولت ان کا یہ انجام ہوا تا کہ انسان اپنا محاسبہ کرتا رہے، اگر اس میں کوئی برا فعل ہے تو اس سے اجتناب کرے۔ اس ضمن میں اللہ کا فرمان ہے: وَضَرَبَ اللّٰہ مَثَلًا قَریَۃً کَانَت آمِنَۃً مطمَئِنَّۃً یَاتِیھَا رِزقھَا رَغَدًا مِن کلِّ مَکَانٍ فَکَفَرَت بِاَنعمِ اللّٰہِ فَاَذَاقھَا اللّٰہ لِبَاسَ الجوعِ وَالخَوفِ بِمَا کَانوا یَصنَعونَ۔[۱۷] ”اور اللہ ایک بستی والوں کی عجیب حالت بیان فرماتا ہے کہ بڑے امن اور اطمینان سے رہتے تھے، ان کے کھانے کی چیزیں ان کے پاس ہر طرف سے بڑی فراغت سے پہنچا کرتی تھیں، پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کی، اس پر اللہ نے ان کو ان کی حرکات کے سبب ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔“

قرآن مجید میں ماضی کے واقعات بیان کر کے امت محمدیہ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ اس طرح کے اعمال کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔ مذکورہ مثال بھی انہیں میں سے ہے کہ اس بستی کے انجام کی طرف دیکھ کر بندہ اپنے احتساب کی طرف متوجہ ہو جائے کہ وہ کون سے اعمال کر رہا ہے اور ان کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔ چناں چہ اللہ اس کفرانِ نعمت کے وبال پر تنبیہ کرنے کے لیے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی کہ وہ بستی امن و امان والی تھی، یعنی اس بستی کے لوگ آسودہ حال تھے، اور انہیں کسی کے لوٹ مار اور غارت گری کا اندیشہ نہ تھا، اس بستی میں رہنے والے لوگوں کا رزق فراغت اور کثرت کے ساتھ تمام جانب سے آتا تھا، اس بستی والوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اللہ نے اس بستی والوں کو بھوک اور خوف و ہراس نے انھیں گھیر لیا۔ یہ مثال بیان کر کے اللہ نے لوگوں کو ان کے انجام کی طرف متوجہ کیا کہ آج اگر تم ان کی طرح اعمال کرو گے تو کچھ بعید نہیں کہ کل تمہارے ساتھ بھی ان کا جیسا معاملہ ہو جائے۔ انسان کی نظر اپنے اعمال اور احتساب پر ہونی چاہئے تا کہ اپنی آزمائش میں پوری طرح کامیاب ہو جائے۔

اللہ کا فرمان ہے کہ: وَلَقَد خَلَقنَا الاِنسَانَ وَنَعلَم مَا توَسوِس بِہٖ نَفسہ وَنَحن اَقرَب اِلَیہِ مِن حَبلِ الوَرِیدِ[۱۸] ”اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں، اور ہم اس کے زیادہ قریب ہیں جو کتاب میں وارد ہو۔“ مذکورہ آیت مثال میں علمِ الٰہی کی وسعت کا بیان ہے، یعنی اللہ ہر انسان کے دل میں

آنے والے خیالات کو جانتا ہے، وہ ذات انسان کے اس وقت قریب ہے جب وہ اللہ کی کتاب میں وارد یعنی مشغول ہوتا ہے۔ کہ ،جبل (اللہ کی کتاب) پراس کی زندگی کا دارومدار ہے وہ قریب ہونی چاہیے،اللہ تعالیٰ انسان کی حالت کو زیادہ جانتا ہے۔انسانی فطرت رہی ہے کہ وہ جس کی عزت اور جس سے محبت کرتا ہے وہ اس کے سامنے اچھا بننے کی کوشش کرتا ہے،اور اپنے اندر سے وہ تمام عادتیں دور کرتا ہے جو اسے ناپسند ہیں، اگر انسان خالقِ حقیقی سے محبت کرے، اسی ذات پر بھروسہ کرے اور مرضی اس کے سپرد کرے،اس خالق کو وہ مقام دے جو اس کا حق ہے،یعنی وہ سچا مسلمان بن جائے تو وہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ دے گا جنہیں اللہ پسند نہیں کرتا۔انسان کو چاہیے کہ اللہ کی کتاب میں مشغول رہ کر اپنی اصلاح کی فکر کرتا رہے۔مسلم کے معنیٰ ہی یہی ہے کہ اپنی مرضی اللہ کی مرضی کے سپرد کیا جائے۔

دنیا وآخرت کے اسرار کے متعلق علم:

قرآن کریم کی ایسی بہت سی تمثیلات ہیں جن میں دنیا وآخرت کے اسرار کے متعلق بیان فرمایا گیا ہے۔دنیا کی زندگی محض سامان فریب ہے،اور آخرت کی زندگی ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے۔اس دنیا کی حقیقت کیا ہے جس کے پیچھے ہم نے اپنے شب وروز کی تمام طاقتیں صرف کی ہیں،محض ایک دھوکے کا گھر ہے ہمیشہ کی جگہ نہیں۔دنیا کی زندگی بہت جلد زوال پزیر ہوتی ہے اس کے باوجود لوگ اس کو آخرت کی زندگی پر فوقیت دیتے ہیں۔یہ ایک عجیب بات ہے؛ کیوں کہ جس کو بقا نہیں اس کو کیوں فوقیت دی جائے۔اللہ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ دنیا کی حقیقت کے بارے میں آیات بیان فرمائی، پہاڑ،دریا، چاند اور سورج جب تباہ ہو جائیں گے تو دنیا کی حالت کس طرح ہو جائے گی۔دنیا کی حقیقت کے بارے میں اللہ نے تمثیل بیان فرمائی ہے:اِنَّمَا مَثَل الحَیوٰةِ الدّنیَا کَمَائاَنزَلنَاہ مِنَ السَّمَائفَاختَلَطَ بِهِ نَبَاتالاَرضِ مِمَّا یَاکل النَّاس وَالانعَام حَتّٰی اِذَااَخَذَتِ الاَرض زخرفَھَاوَازّیَّنَت وَظَنَّ اَھلھَا اَنَّھم قَادِرونَ عَلَیھَااَتَاھَااَمرنَالیلًا اَو نَھَارًا فَجَعَلنَاھَاحَصِیدًا کَاَن لَم تَغنَ بِالاَمسِ کَذٰلِکَ نفَصِّل الآیَاتِ لِقَومٍ یَتَفَکَّرونَ[۱۹]''دنیا کی زندگی کی مثال تو بالکل بارش جیسی ہے جسے ہم آسمان سے برساتے ہیں، پھر اس سے زمین کا سبزہ اور روئیدگی مل جل کر وہ چیزیں اگتی ہیں جو انسان بھی کھاتے ہیں اور چوپائے بھی، یہاں تک کہ جب زمین سرسبز ہو کر آراستہ پیراستہ ہو گئی اور وہاں کے رہنے والوں نے اندازہ لگایا کہ اب ہم اس سے نفع پانے پر قادر ہو گئے، کہ اچانک اس پر حکمِ الٰہی رات کو یا دن کو آ پہنچا اور ہم نے اسے جڑ سے اکھیڑ پھینکا، اس طرح کہ گویا کل کچھ بھی نہ تھا، ہم اس طرح غور وفکر کرنے والوں کے لیے کھول کھول کر اپنی نشانیاں بیان فرماتے ہیں۔''

مذکورہ آیت میں اللہ دنیا کے زوال کی ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ جس پر غور کرنے سے دنیا کی حقیقت اور اس کی بے ثباتی دل پر منقش ہو جاتی ہے، اور سرکشی کا جو اصل سبب تھا یعنی دنیا کی زیبائش اور عیش وعشرت اس کی حقیقت کھل

جانے سے مزاج اعتدال پر آ جائے گا۔ اس آیت کریمہ میں دنیا کی ناپائیدار زندگی کو پانی اور مٹی کے ساتھ تشبیہ دی، کہ جس طرح پانی زمین پر برستا ہے اور اس سے کھیتی پیدا ہوتی ہے اور کسان اس کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ کھیتی تیار ہوگئی اور اب ہم اس سے نفع اٹھائیں گے کہ پھر اچانک اس پر کوئی آسمانی آفت آجاتی ہے تو کہیں اولے برستے ہیں کہیں آگ لگتی ہے اور وہ کھیتی نیست و نابود ہو جاتی ہے، کسان کی امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے اور افسوس ہی کرتا رہ جاتا ہے۔ یہی حال انسان کا ہے کہ نطفہ پانی کی طرح ہے، اور رحمِ مادر زمین کی مثل ہے۔ نطفہ جب رحم جاتا ہے تو اس سے انسان پیدا ہو جاتا ہے، اور بڑھتا رہتا ہے، اور طرح طرح کے خواہش اپنے دل میں رکھتا ہے کہ پھر اچانک موت کا پیغام آجاتا ہے اور سب حسرتیں اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ آخرتم نے اس فانی دنیا کی خاطر اس ابدی زندگی کو کیوں ترک کر دیا، اللہ کی کتاب کی پیروی کیوں نہیں کی، تاکہ تمہیں ہمیشہ کی عیش و عشرت حاصل ہو۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے اس مثال کی نہایت لطیف انداز میں خاص طور پر حیات انسانی پر منطبق کیا ہے۔ چناں چہ آپؒ فرماتے ہیں کہ: ''پانی کی طرح روح بھی آسمان سے آئی اور اس جسم خاکی میں مل کر اس کی اس نے قوت پکڑی، دونوں کے ملنے سے آدمی بنا، پھر کام کئے انسانی اور حیوانی دونوں طرح کے، جب سینہ میں پورا ہوا اور اس کے متعلقین کو اس پر بھروسہ ہوا تو ناگہاں موت آپہنچی جس نے ایک دم میں سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا پھر ایسا بے نام و نشان ہوا کہ گویا وہ زمین پر آباد ہی نہ ہوا تھا۔''[۲۰] اللہ نے اس طرح غور و فکر کرنے والوں کے لیے مثال بیان فرمائی ہیں، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس ناپائیدار اور فانی دنیا کی ظاہری خوبصورتی و آرائش مین پھنس کر اپنی بقا کی جگہ کو بھول جائیں، اور اس فانی جہان کو ابدی سمجھنے کی بھول نہ کر بیٹھیں۔ اگلی آیت بھی کچھ اسی طرح ہے، جس میں اللہ نے دنیا کی حقیقت واضح کر دی ہے، یعنی کہ دنیا کی آسائشوں پر تفاخر کرنا بے وقوفی کی بات ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ: **وَاضرِب لَهم مَثَلَ الحَيوٰةِ الدّنيَا كَمَاۤئانزَلنَاه مِنَ السَّمَاءِ فَاختَلَطَ بِهِ نَبَات الاَرضِ فَاَصبَحَ هَشِيمًا تَذرُوهالرِّيَاح وَكَانَ اللّٰه عَلَى كلِّ شَىء مقتَدِرًا. المَال وَالبَنونَ زِينَة الحَيوٰةِ الدّنيَا وَالبَاقِيَات الصَّالِحَات خَير عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَير اَمَلًا** ۔[۲۱] ''دنیا کی زندگی کی مثال ان کے سامنے بیان کیجئے کہ جیسے پانی، جیسے ہم نے آسمان سے اتارا پھر اس سے زمین کی روئیدگی ملتی ہے، پھر آخر کار وہ چورہ ہو جاتی ہے جسے ہوائیں اڑائے لئے پھرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، مال واولاد تو دنیا کی زندگی کی ہی زینت ہے، ہاں البتہ باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ثواب اور اچھی توقع کے اعتبار سے بہت ہی عمدہ ہے۔''

دنیا کی حقیقت کے بارے میں اللہ تمثیل بیان فرمارہا ہے تاکہ انسان اپنی توجہ آخرت کی طرف مرکوز رکھے اور اس دنیا میں ایک مسافر کی طرح زندگی بسر کرے، اس دنیا کی ظاہری خوبصورتی کو دیکھ کر اس کی طرف مائل نہ ہو، اور سمجھ

جائے کہ دنیا قابل فخر چیز نہیں قابل شکر تو اعمالِ صالحہ ہیں جن کے مقابلے میں ساری دنیا کی آرائش وزیبائش کچھ مطلب نہیں رکھتی۔ اللہ جگہ جگہ اپنی مثالوں سے واضح کرتے ہیں کہ دنیا تو بہت حقیر چیز ہے، اعلیٰ چیز تو آخرت ہے، اس کی تیاری کرنی چاہئے۔ مزید تمثیل میں فرمایا گیا کہ دنیا کی زندگی تو محض سامان فریب ہے۔ آنے والی آیت مبارکہ بھی دنیا کی حقیقت کو اجاگر کرتی ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ: **اعلموا انّما الحَیوٰۃالدّنیَا لَعِب وَلھو وَزِینَۃ وَتفَاخر بینَکم وَتکاثر فِی الاَموَالِ وَالاَولَادِ کَمَثَلِ غَیثٍ اَعجَبَ الکفَّارَ نَبَاته ثمَّ یَھِیج فَترَاھم صفرًّا ثمَّ یکون حطَامًا وَفِی الآخِرَۃِ عَذَاب شَدِید وَمَغفِرَۃ مِنَ اللّٰہِ وَرِضوَان وَمَا الحَیوٰۃالدّنیَا اِلَّا مَتَاع الغرو ۲۲** ’’تم خوب جانو کہ دنیوی زندگی محض ایک لہو ولعب اور ایک زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال واولاد کی کثرت پر بعض کا بعض سے مقابلہ کرنا ہے، جیسے بارش کہ اس کی پیداوار کاشکاروں کو اچھی لگتی ہے، پھر وہ خشک ہوجاتی ہے کہ تم کو زرد دکھائی دیتی ہے، پھر وہ چورا چورا ہوجاتی ہے، اور آخرت میں عذابِ شدید ہے، اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضامندی (بھی) ہے، اور دنیاوی زندگی محض سامانِ فریب ہے۔‘‘

اللہ انسان کی توجہ بار بار دنیا کی بے ثباتی کی طرف لے جارہے ہیں، اور اصل چیز آخرت کو قرار دیا، جس کو آخرت مل گئی اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کرلی۔ دنیا کی زندگی کو اللہ نے لعب قرار دیا ہے، اور لعب وہ کھیل ہے جس میں فائدہ مطلق پیشِ نظر نہ ہو، جیسے بہت چھوٹے بچوں کی حرکتیں اور کھیل کود ہے جس کا اصل مقصد تو تفریح اور دل بہلانا اور وقت گزاری کا مشغلہ ہوتا ہے۔ یعنی کچھ کھیل تو ایسے ہوتے ہیں جن میں انسان کے جسم کی ورزش ہوجاتی ہے، جیسے کرکٹ، نشانہ بازی اور تیراکی وغیرہ۔ ان کے تو تفریح کے علاوہ اور بھی فوائد ہیں، لہو ان کھیلوں میں آجاتا ہے جن کے کچھ فوائد بھی ہیں، لیکن لعب وہ کھیل ہے جو صرف تفریح کا سامان ہے اور کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ نے دنیا کی زندگی بہت خوبصورت ترتیب کے ساتھ دی ہے۔ پہلے لعب فرمایا، انسان جب چھوٹا ہوتا ہے تو وہ کھیل میں جسمانی فوائد کو نہیں دیکھتا، عمر کا بالکل ابتدائی حصہ تو خالص کھیل یعنی لعب میں گزرتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لہو فرمایا، یہ وہ دور ہے جس میں کھیل تو ہے لیکن کھیل کے فوائد بھی ساتھ میں ہیں، اس کے بعد کے دور کو اللہ تعالیٰ نے زینت فرمایا جب آدمی جوان ہوجاتا ہے تو وہ سب سے زیادہ اپنی زینت کا خیال رکھتا ہے، اس کو اپنے تن بدن اور لباس کی زینت کی فکر ہونے لگتی ہے۔ زینت سے نکل کر وہ تفاخر میں آجاتا ہے، جب وہ مکمل باشعور ہوجاتا ہے تو وہ اپنے ہم عمروں اور ان سے آگے بڑھنے اور ان پر فخر جتلانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور آخر عمر میں وہ مال واولاد کی حرص میں غرق ہوجاتا ہے۔

انسانی زندگی کی جو ترتیب اللہ نے اس آیتِ مثال میں بیان فرمائی ہے اگر اس پر غور وفکر کی جائے تو واقعی میں انسان پوری زندگی انہی چیزوں کی فکر میں رہتا ہے، اور انسان پر جتنے دور اس ترتیب سے آتے ہیں ہر دور میں وہ اپنے اسی

حال پر خوش ہوتا ہے، اور اسی کو سب سے بہتر جانتا ہے۔ جب ایک دور سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو سابقہ دور کی کمزوری اور بے فائدہ ہونا اس کے سامنے آجاتی ہے۔ تفسیر جلالین میں علامہ جلال الدین محلیؒ اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ رقمطراز ہیں کہ: ''دنیاوی زندگانی اور اس کے ساز و سامان کا بھی کچھ یہی حال سمجھو کہ وہ ایک دغا کی پونجی اور دھوکہ کے ٹٹی ہے، اس کے عارضی بہار سے انسان فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے، حلانکہ یہ سب چیزیں مرنے کے بعد کام نہیں آئے گے، وہاں تو ایمان اور نیک عمل کی پوچھ گچھ ہوگی، جو شخص انھیں دنیا سے لے گیا سمجھو کہ اس کا بیڑا پار ہے، آخرت کی نعمتوں کے علاوہ مالک کی خوشنودی اور رضامندی حاصل ہوگی۔ لیکن وہ ایمان اور عمل سے محروم رہا اور کفر و نافرمانی کا بوجھ لیکر پہنچا اس کیلئے دردناک عذاب ہے، البتہ جس نے ایمان کے ساتھ کچھ عملی کوتاہیاں شامل کر لیں اس کیلئے جلد یا بدیر دھکے مکے کھا کر معافی ہے۔ وہ دنیا کا خلاصہ تھا اور یہ آخرت ہوا۔ غرض کہ دنیا کے سامان عیش و طرب میں پڑ کر آدمی کو آخرت سے غافل نہیں ہونا چاہئے''۔۲۳؎

شیخ سعدی رحمہ اللہ علیہ اس فانی زندگی کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں کہ:

خوش است عمر دریغا کہ جاودانی نیست — بس اعتماد براین پنج روز فانی نیست

دل اے رفیق دراین کاروانسرائے مبند — کہ خانہ ساختن آبین کاروانی نیست ۲۴؎

جہاں برآب نہادنست وزندگی برباد — غلامِ ہمت آنم کہ دل برونہ نہاد

کس رابقائے دائم وعہدِ مقیم نیست — جاوید پادشاہی ودائم بقائے ایست تو

ترجمہ: عمر بہت اچھی چیز ہے لیکن افسوس کہ ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے، زیادہ اعتماد فانی ہونے والے ان پانچ دنوں پر نہیں کرنا چاہئے۔ اے دوست اس فانی سرائے میں مستقل ٹھکانہ پکڑنا عقلمندی کی بات نہیں، کیوں کہ کارواں والے گھر نہیں بنایا کرتے۔ اللہ نے دنیا کی بنیاد پانی پر اور زندگی کی بنیاد ہوا پر رکھی ہے، اس ہمت کا میں غلام ہوں جس نے اس پر دل نہ رکھا۔ کسی کے لیے ہمیشہ کی بقا اور دائمی زندگی نہیں، ہمیشہ کی بادشاہی اور دائمی بقا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔۲۵؎

خلاصہ بحث:

قرآن مجید علم و حکمت کا ایک ایسا ذخیرہ اپنے اندر رکھتا ہے کہ جس قدر اس میں غور و خوض اور تدبر کیا جائے اس قدر علم اور حکمت کی موتی ہاتھ آسکتے ہیں۔ اس پر عمل کرنے اور اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اس کو بطورِ راہنما شامل رکھنے کی صدائے عام ہے۔ قرآن میں تدبر کے فقدان کی وجہ سے آج مسلمانوں کی حالت قابل رحم ہے، اور تدبر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کم از کم اس کا ترجمہ ہی سیکھنے کی ہمت کی جائے، ہم نے اب تک اس کے ظاہری مفہوم و مطلب سیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی ہے، چہ جائے کہ اس عظیم کتاب کے علوم و معارف اور اسرار و حکم تک ہماری رسائی ہو۔ قرآن مجید میں فرمایا

گیا: کِتَاب اَنزَلنَاہ اَلَیکَ مبَارَک لِیَدَّبَّرو ا آیَاتِہِ وَلِیَتَذَکَّرَ اولو الاَلبَابِ ۔۲۶ ''ہم نے یہ مبارک کتاب آپ کی طرف نازل کی ہے تا کہ عقل والے اس میں غور وفکر کریں اور اس سے نصیحت حاصل کریں۔''

مگر آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے اس کلامِ الٰہی میں غور وفکر کرنے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے کے بجائے اس کو چند رسومات کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ اللہ نے جس قدر قرآن مجید میں غور وفکر کرنے کی تاکید کی ہے اتنی ہی ہم اس سے غفلت برت رہے ہیں۔ دنیا کا یہ ایک عام دستور ہے کہ کوئی شخص کسی کتاب کو سمجھے بغیر نہیں پڑھتا، اگر کوئی قصے کہانیوں کی کتاب پڑھتا ہے تو اسے سمجھنے کی کوشش بھی کرتا ہے، مگر اللہ کی یہ کتاب جس کا موضوع بھی خود انسان ہی ہے اس کو پڑھنے کی کوشش بھی نہیں کی جاتی ہے، غور وفکر تو دور کی بات ہے امثال مخفی حقائق سے پردہ اٹھانے کے لیے بیان کی جاتی ہیں، اور یہ حقائق انسانی ذات سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ انسانیت کو قرآن مجید کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

حوالہ جات

۱ سورۃ محمد (۴۷) آیت ۲۴۔ ۲ سورۃ النساء (۴) آیت ۱۷۵

۳ البیہقی، ابوبکر احمد بن حسین، شعب الایمان للبیہقی، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ) باب الحادی عشر من شعب الایمان وھو باب فی الخوف من اللہ تعالیٰ، ج ۲ ص ۲۷۔

۴ سورۃ الانعام (۶) آیت ۷ ۵ سورۃ الرعد (۱۳) آیت ۱۴

۶ سورہ الحج (۲۲) آیت ۷۴۔۷۳ ۷ سورۃ البقرہ (۲) آیت ۱۲۱

۸ سورۃ البقرہ: (۲) آیت ۲۶۴ ۹ سورۃ لبقرہ (۲) آیت ۲۷۵

۱۰ سورۃ الجمعہ (۵) آیت ۶۲ ۱۱ سورۃ النور (۲۴) آیت ۳۹

۱۲ سورۃ النور (۲۴) آیت ۴۰ ۱۳ سورۃ ص (۳۸) آیت ۷۵

۱۴ سورۃ التین (۹۵) آیت ۴ ۱۵ سورۃ الحجرات (۴۹) آیت ۱۲

۱۶ سورۃ القمان (۳۱) آیت ۱۹ ۱۷ سورۃ النحل (۱۶:) آیت ۱۱۲

۱۸ سورۃ ق (۵۰) آیت ۱۶ ۱۹ سورۃ یونس (۱۰) آیت ۲۴

۲۰ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، معارف القرآن، (لاہور، مکتبہ عثمانیہ، ۱۹۹۷ء)، ج ۳ ص ۴۶۲

۲۱ الکھف (۱۸) آیت ۴۰ ۲۲ سورۃ الحدید (۵۷) آیت ۲۰

۲۳ سیوطی، محلی، جلال الدین، مترجم، مولانا محمد نعیم تفسیر کمالین، اردو شرح جلالین، (کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، س ن) ج ۴ ص ۳۶۰۔

۲۴ سعدی شیرازی، مُصلح الدین مُشرف بن عَبدُ اللہ، قصائد سعدی، حکیمانہ، (تہران، ادبیات ایران وجہان، ۱۳۷۵ھ) قصیدہ ''خوش است عمر دریغا کہ جاودانی نیست''

۲۵ سواتی، صوفی، عبد الحمید، معالم العرفان فی دروس القرآن، (گجرانوالہ، مکتبہ دروس، ۱۹۹۹ء) ج ۱۲ ص ۱۳۲۔۱۳۳۔

۲۶ سورۃ ص (۲۹) آیت ۳۸